فراعنہ ء مصر کا بنی اسرائیل پر جبر و استبداد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریکِ اصلاح و نجات، ایک حقیقت یا افسانہ؟

The Oppression of the Pharaohs of Egypt over the children of Israel and the movement of Prophet Moses (PBUH) for reforms and liberty: A fact or a myth?

عبد الخالق

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

Abstract:

Allah almighty created humanity on earth, then bestowed upon it the ability to accept the turth or falsehood. From the beginning of creation, there has been a conflict between these two forces. In the course of human history, these two great powers are remembered by the symbolic names of Moses and Pharaoh. Bani Israel in general and Moses (PBUH) in particular, is one of the major themes of the Qur'an. The battle of turth and falsehood between Moses and Pharaoh is a unique and strange event and histrorical fact of mankind. Pharaoh was very proud of his majesty and glory. On the contrary, Moses (PBUH) had full faith in the power of his Lord. Moses (PBUH) persevered in the face of the tyranny of Pharaoh. In the light of modern archeological research, the Western authors and some modern historians denied the presence of Bani Israel and Moses (PBUH) in ancient Egypt when no archeological artefacts were found in Egypt. They call this histry fiction and Moses personality as legendary.

However, the researcher categorically refutes this objection by proving the arguments regarding the presence of Bani Israel in ancient Egypt and the real character of Prophet Moses (PBUH) and has made it clear from authoritative sources that Prophet Moses (PBUH) opposed Pharaoh and Moses (PBUH) delivered Bani Israel from his oppression and tyranny.

Key words; Oppression, Pharaohs, Egypt, the children, Moses, Prophet.

تاریخی پس منظر

حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بھائیوں نے فروخت کیا تو ان کو سوداگر مصر لائے اور آپ علیہ السلام کو مصر کے بازار سے عزیز مصر نے خریدا۔ اور عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سنبھالا اور پرورش کی اور جب جوان ہوئے تو آپؑ نے بی بی زلیخا (شریک حیات عزیز مصر) کی خواہش پوری نہ کی تو آپؑ اس کے زیر عتاب آئے اور کئی سالوں تک آپؑ کو جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی۔ خواب کی تعبیر کی وجہ سے جیل سے آزاد ہو کر بے گناہ ثابت ہوئے اور آپؑ کو عزیز مصر کے بڑے منصب پر فائز کیا گیا۔ اور بنی اسرائیل بھی آپؑ کی وجہ سے مصر آئے۔

مولانا مودودی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بائیبل کے علماء کی تحقیق اگر درست مانی جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش 1906 ق م کے لگ بھگ زمانے میں ہوئی اور 1890 ق م کے قریب وہ واقع پیش آیا جس سے اس قصہ کی ابتداء ہوتی ہے، یعنی خواب دیکھنا اور پھر کنوئیں میں پھینکا جانا۔ اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر سترہ سال تھی۔“(1)

حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لایا گیا اور آپؑ مختلف تکلف دہ مراحل سے گزر کر اللہ کے فضل و کرم سے عزیز مصر بن گئے۔

بنی اسرائیل کی مصر آمد:

جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے منصب پر فائز ہوئے تو آپؑ نے اپنے خاندان اور رشتے داروں کو مصر آمد کی دعوت دی اور ان کے لیئے مصر میں ایک علاقہ مخصوص کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر میں داخل ہونے کا حکم دیا قرآن مجید نے اس حکم کو بایں الفاظ ذکر کیا:

"فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰـهُ اٰمِنِیْنَ"(2)

ترجمہ: پھر جب یوسف کے پاس آئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔

”حضرت یعقوب علیہ السلام بن اسحاق اپنے اسباط کے ساتھ مصر میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ توریت میں لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان کو ”اسرائیل کے نام سے یاد فرمایا تھا۔ ایل کے معنیٰ بندے کے ہیں۔ اور اسراء اس طرح اللہ جل شانہ کا صفاتی نام ہے۔“(3)

”بنی اسرائیل سے مراد: حضرت یعقوب کی امت، یہودی“(4)

”اولاد اسرائیل، یہود کی قوم، اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔“(5)

اس طرح کافی عرصے تک بنی اسرائیل بڑے خوش وخرم مصر میں رہے۔

فرعون کا خواب:

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"بعض صحابہ رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ چلی جس نے مصر کے گھروں کو گھیر لیا۔ اور قبطیوں کو جلا دیا اور بنی اسرائیل بچ گئے۔ مصر کے تمام گھر تباہ ہو گئے۔ صبح فرعون نے کاہنوں اور قیافہ شناسوں کو بلا کر اس خواب کی تعبیر معلوم کی اور انہوں نے فرعون کو بتایا کہ بیت المقدس سے آنے والے بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کی وجہ سے مصر تباہ ہو جائے گا۔"(6)

ابن خلدون نے اس خواب کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"کاہنوں نے اسے بتایا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے جو تمہارے ملک کا مالک اور تمہاری بربادی کا باعث بن جائے گا۔ اس طرح اور جو کچھ انہیں اس واقع کے متعلق معلوم تھا۔ اسے بتایا چنانچہ فرعون نے بنی اسرائیل کی نسل ختم کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ مردوں کو عورتوں سے علیحدہ کر دیا اور لڑکوں کو قتل کرنے لگا اس حالت میں ایک زمانہ گزر گیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔"(7)

بچوں کا قتل:

جب فرعون نے اس خواب کی وجہ سے بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان کو اس مصیبت سے آزاد کیا۔ مندرجہ ذیل آیت میں اسی نعمت کے بارے میں بنی اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اور ان کو اس احسان عظیم کی یاد دھیانی کراوئی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجَاكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ"(8)

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تمہیں فرعون کی قوم سے چھڑایا وہ تمہیں برا عذاب چکھاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

بنی اسرائیل پر بڑا جبر و استبداد کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت:

اللہ کے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی اور جب آپ جوان ہوئے تو آپ کے ہاتھوں غیر ارادی طور پر ایک قبطی کا قتل ہوا اور آپ مدین چلے گئے جہاں شعیب علیہ السلام نے آپ کو پناہ دی اور اپنی بیٹی صفورہ سے شادی کرادی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت جس فرعونِ وقت کے زمانے میں ہوئی اس کے متعلق اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار A History of Egypt کے حوالے سے لکھتا ہے:

”جدید محققین اور ماہرین اثریات کا کہنا ہے کہ جس فرعون کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی وہ مصر کے فرعونی دور کے انیسویں خاندان کا بادشاہ رعمیسس ثانی (Ramases II) ہے جو سیتی اول (Seti I) کا بیٹا تھا۔“(9)

پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصبِ نبوت سے سرشار فرمایا اور بنی اسرائیل کی اصلاح کرنے اور ان کو فرعون کے ظلم سے نجات دلانے کے متعلق حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيَاتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ"**(10)**

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا، بے شک اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

دعوتِ حق:

جب آپ مصر سے لوٹے تو فرعون کا بیٹا بادشاہ بن چکا تھا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

”یہ فرعون جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون سمیت دعوت و تبلیغ کے لیے گئے جدید محققین اور مؤرخین کے مطابق رعمیسس ثانی کا بیٹا منفتاح ثانی Meneptah تھا۔“(11)

آپ علیہ السلام نے منفتاح ثانی کو اللہ کا پیغام دیا، لیکن اس نے تکبر کیا اور حق قبول نہیں کیا۔ کیونکہ وہ معبود بن کر بیٹھا ہوا تھا اور بنی اسرائیل پر ظلم بدستور کر رہا تھا۔

فرعون کی غرقابی:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منفتاح ثانی کو دعوتِ حق کی دعوت دی تو نا صرف یہ کہ اس نے انکار کیا اور جھٹلایا بلکہ آپ علیہ السلام کو مقابلے کا چیلنج کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین معرکہء حق و باطل بنی نوعِ انسان کا اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ اور

تاریخی حقیقت ہے۔ فرعون کو اپنے رعب، دبدبے اور شوکت و سطوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب کی طاقت اور قدرت پر کامل یقین تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جبر واستبداد کے باوجود حق پر ڈٹے رہے، اور بالآخر حق کی فتح ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَجَاوَزْنَا بِبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُه بَغْيًا وَّعَدْوًا حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّه لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الَّذِیٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوٓا اِسْرَآئِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ،آٰلْاٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ، فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۚ وَاِنَّ كَثِيْـرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيَاتِنَا لَغَافِلُوْنَ"(12)

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم اور زیادتی سے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا تو کہا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اب یوں کہتا ہے، اور تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔ پس آج ہم تیرے بدن کو نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو، اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی مدد سے بنی اسرائیل کو سمندر پار لے جاکر ان کو فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات دلائی اور اللہ کے حکم سے فرعون اپنے لشکر کے ہمراہ دریا میں غرق ہوا۔ اور بنی اسرائیل کو عرض مقدسہ کا وارث بنادیا۔

یہ بنی اسرائیل کے مصر میں رہنے کی مختصر وضاحت ہے۔ اور اب درج ذیل سطور میں بنی اسرائیل کے قدیم مصر سے متعلق اعتراض پر تحقیق پیش کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

بنی اسرائیل قدیم مصر میں، حقیقت یا افسانہ؟

راقم نے مغربی تاریخ دانوں اور مصر کے آثار قدیمہ کے ماہرین اور مؤرخین کی اکثر کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر آمد اور ان کے بعد بنی اسرائیل کا مصر آنا پھر ان کی غلامی، ان پر فراعنہ کی ظلم وزیادتی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر خروج تک کی تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ قدیم مصر کے آثار قدیمہ میں آثار نہ ملنے کو دلیل بناتے ہوئے۔ Joshua J.Mark نے Ancient History Encyclopedia میں ایک مضمون میں اس پوری تاریخی حقیقت کو افسانہ قرار دیا ہے۔ جس کا اقتباس درج ذیل ہے:

"Moses is best known from the story in the biblical Book of Exodus and Quran as the lawgiver who met God face-to-face on Mount Sinai to receive the Ten Commandments after leading his people, the Hebrews, out of bondage in Egypt and to the "promised land" of Canaan. The story of the Hebrew Exodus from Egypt is only found in the Penteteuch,

the first five books of the Bible, and in the Quran which was written later. No other ancient sources corroborate the story and no archaeological evidence supports it. This has led many scholars to conclude that Moses was a legendary figure and the Exodus story a cultural myth."(13)

ترجمہ: قرآن اور بائبل کی کتاب خروج میں موسیٰ علیہ السلام کو اس قانون سے سب سے زیادہ جانا جاتا ہے جس نے قانون نگاری کی حیثیت سے جو اپنے لوگوں، عبرانیوں کو مصر میں غلامی سے نکالنے کے بعد دس حکموں کو قبول کرنے کے لئے کوہ سینا پر آمنے سامنے ملا تھا۔ کنعان کی "زمین کا وعدہ کیا"۔ مصر سے آئے ہوئے عبرانیوں کے خروج کی کہانی صرف بائبل کی پہلی پانچ کتابوں، پینٹٹیوک اور قرآن مجید میں ملتی ہے جو بعد میں لکھی گئی تھی۔ کوئی اور قدیم وسائل اس کہانی کی تصدیق نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی آثار قدیمہ کے ثبوت اس کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سارے اہل علم یہ نتیجہ اخذ کر چکے ہیں کہ موسیٰ ایک افسانوی شخصیت تھے اور خروج کی کہانی ایک ثقافتی داستان تھی۔

مذکورہ بالا اعتراض جو ایک تاریخی حقیقت کو مسخ کر کے الہامی کتب کو تاریخی حوالے سے غلط قرار دیتا ہے اور الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ کتب محض افسانوی واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ کفر کی یہ ایک ناکام کوشش ہے جس کو مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں بڑے قروفر سے مسترد کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ اعتراض جدید ہے۔ ہمیشہ دنیا اس واقعے کو حقیقت سمجھتی رہی ہے اور اس کو اگلی نسلوں میں منتقل بھی کیا جاتا رہا ہے۔ اس طرح ہر ایک کے زبان زد عام ہونا بھی از خود ایک دلیل ہے۔ کہ یہ اعتراض بے جا ہے۔

قدیم مصر میں توحید پرستی:

اس بات پر سب اہل یورپ اور ماہرین آثار قدیمہ متفق ہیں کہ "آمون ہتپ چہارم" پہلا فرعون تھا جو موحد بنا اور اس نے باقی تمام مصر کے خداؤں کو ختم کر کے ایک "اتون" کی پرتش کا رواج دیا۔

Bob Brier, Hoyt Hobbs اپنی کتاب Daily life of The Ancient Egyptians میں لکھتے ہیں:

"Amenhotep III luxuriated on his throne at this best of all times, proudly dedicating the greatest temple any pharaoh ever built to the great god of Egypt, Amun. At his death it was assumed that his son would carry on the traditions of his forebears. Yet, after ruling only a few years, the new pharaoh changed his name from Amenhotep IV ("Amun is pleased") to Akhenaten ("It is beneficial to the Aten") and declared there was only one god, the Aten. In history's first recorded instance of monotheism, old temples and thousands of priests were no longer supported by the pharaoh, and Egyptians were told that the gods they had always worshiped had ceased to exist."(14)

ترجمہ: امانوہتپ III نے اس وقت تک اپنے تخت پر عیش و عشرت کا مظاہرہ کیا، اور فخر کے ساتھ کسی بھی فرعون نے مصر کے عظیم خدا، امون کے لئے تعمیر کردہ سب سے بڑے ہیکل کو فخر سے سرشار کیا۔ ان کی وفات پر یہ خیال کیا گیا تھا کہ ان کا بیٹا اپنے پیشروؤں کی روایات کو جاری رکھے گا۔ پھر بھی، صرف چند سالوں کے حکمرانی کے بعد، نئے فرعون نے اپنا نام آمون ہتپ چہارم ("امون راضی ہوا") سے تبدیل کرکے اخناتون ("آتون خوش ہو") رکھ دیا اور اعلان کیا کہ یہاں ایک ہی خدا، آتون تھا۔ توحید کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ریکارڈ شدہ مثال کے طور پر، پرانے مندروں اور ہزاروں پجاریوں کو اب فرعون نے مدد نہیں دی، اور مصریوں کو بتایا گیا کہ جن دیوتاؤں کی وہ ہمیشہ پوجا کرتے تھے ان کا وجود ختم ہو گیا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچانک یہ انقلاب کیسے ہوا اور وہ خود ہی موحد بن گیا۔ اور اپنے اور پورے ملک کے عقائد کو بدل کر رکھ دیا ۔یہی وہ دور تھا۔ جس میں حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے آزاد ہوئے اور فرعون کے خواب کی تعبیر کی اور حضرت یوسف علیہ السلام عزیزِ مصر بنے اور آپ کی دعوت پر فرعون ایمان لایا اور تمام خود ساختہ معبودوں کا مصر سے خاتمہ کیا اور ایک معبود جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، اس کی عبادت کو جائز قرار دیا۔ اس دلیل سے بنی اسرائیل کا قدیم مصر میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ الہامی کتب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس فرعون کے بعد جو فرعون بنا وہ حضرت یوسف پر ایمان نہیں لایا۔ اور اہل یورپ بھی یہی کہتے ہیں۔ اخناتون کے بعد توت عنخ آمون فرعون بنا اس نے پرانے تمام معبودوں کو دوبارہ پروان چڑھایا۔ اور اخناتون کی وفات کے بعد قدیم مصر دوبارہ اپنی پرانی روش پر آ گیا۔

Bob Brier, Hoyt Hobbs نے اس بات کی تصدیق کی ہے:

“Soon after Akhenaten’s death, his holy city was abandoned and Egypt returned to its old religion and rituals.”(15)

ترجمہ: اخناتون کی موت کے فوراً بعد ہی، اس کا مقدس شہر ترک کر دیا گیا اور مصر اپنے پرانے مذہب اور رسومات کی طرف لوٹ آیا۔

(Wendy Christensen) لکھتا ہے:

“King Tutankhaten followed the mystery successor, changed his name to tutankhamun, and moved the capital back to thebes. He tore down Aten’s temples, and erased the names of Akhenaten and Nefertiti from monuments. Amun-re ruled once more. Akhetaten was abandoned. With its residents gone and valuables removed, it sank back into the desert sands.”(16)

ترجمہ: بادشاہ توتنخ اتون نے اسرار کے جانشین کی پیروی کی، اپنا نام تبدیل کرکے توت عنخ آمون میں رکھ دیا، اور دارالحکومت کو واپس تھفس میں منتقل کر دیا۔ اس نے آتون کے مندروں کو توڑ ڈالا، اور یادگاروں سے اخناتون اور نیفرٹیٹی کے نام مٹائے۔ امون ری نے ایک

بار پھر حکمرانی کی۔ اختاتون کو ترک کر دیا گیا تھا۔ جب اس کے باشندے چلے گئے اور قیمتی سامان ہٹا دیا گیا تو، وہ واپس صحرا کی ریت میں ڈوب گیا۔

اور بادشاہ توتخ اتون اپنے ماقبل کی طرح موحد نہیں ہوا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جو الہامی واسطوں سے قدیم مصر کے بارے معلومات ملی ہے۔ بالکل درست ہے۔ بعد ازیں بنی اسرائیل کو غلام بنا دیا گیا تھا۔ ان کا حکومت میں اثر ورسوخ نہیں تھا۔ صرف حضرت یوسف علیہ السلام حکومت کا حصہ بنے۔ ان کے بعد ان کا حکومت سے عمل دخل ختم ہو گیا تھا۔ اور اس لیے ان کی تاریخی اہمیت نہ رہی۔ اسی وجہ سے ان کے حوالے سے معلومات آثار قدیمہ سے نہیں ملی۔

فراعنہ کا خوف:

قبطیوں میں سے سوائے جادوگروں اور ایک دوسرے شخص کے کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ جن جادوگروں نے اپنی ناکامی کو آنکھوں سے دیکھ کر حضرت موسیٰ کی دعوت کو قبول کیا۔ ان کو فرعون نے بے دردی سے شہید کروادیا۔ تب قبطیوں پر فرعون کے ظلم کا خوف طاری ہوا۔ اس لیئے انہوں نے حق قبول نہیں کیا۔ لہٰذا قبطی بنی اسرائیل کو دشمن سمجھتے تھے اس لئے ان کی تاریخ کو بھی اگلی نسلوں میں منتقل نہیں کیا۔

مرورِ زمانہ:

جب کوئی قوم علاقہ چھوڑ کر چلی جاتی ہے تو وہ اس علاقے میں نسیاً منسیا ہو جاتی ہے۔ جس طرح اسپین میں مسلمانوں نے 700 سال حکومت کی۔ اور یہ ماضی قریب کی بات ہے۔ تمام مؤرخین نے مسلمانوں کے اسپین کے بارے میں تاریخ کی کتب میں لکھا ہے۔ اگر کوئی آجکل اسپین کی تاریخ کو پڑھے بغیر جا کر دیکھے تو وہ یقین نہیں کرے گا کہ مسلمانوں نے اسپین میں اتنے لمبے عرصے تک حکومت کی تھی۔ اس کو سوائے قرطبہ کی مسجد کے، مسلمانوں کی کوئی باقی نشانی نہیں ملے گی۔ حالانکہ یہ ماضی قریب کا حال ہے۔ قدیم مصر میں بنی اسرائیل کے وجود کو 3300 سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔

یہ بھی اعتراض کیا جاسکتا ہے، ہیکسوس بادشاہ بھی باہر سے آئے تھے۔ انکا ذکر آثار قدیمہ کی تحقیقات اور تاریخ مصر میں ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں تقریبا 400 سال تک مصر پر حکمرانی کی۔ تو ظاہر ہے ان کا بڑا اثر ورسوخ بن گیا تھا۔ ان کے مقابلے میں بنی اسرائیل کا اس طرح کا اثر ورسوخ نہیں رہا۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل اپنا سب کچھ لے گئے تھے۔ یہاں تک وہ قبطیوں سے ان کے اپنے زیورات بھی سمیٹ کر لے گئے تھے۔ اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جسدِ مبارک بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اوراس کو فلسطین میں بیت المقدس کے قریب دفن کر دیا۔ تواس صورت میں ان کے ثبوت آثار قدیمہ سے ملنا ممکن نہیں رہے۔

قدیم مصر کا ڈوبنا:

ہیر وڈوٹس نے اپنی کتاب "دنیا کی قدیم ترین تاریخ" میں ذکر کیا ہے کہ اسے دوران سفر مصر میں پجاریوں کی طرف سے یہ بتایا گیا تھا کہ ایک مرتبہ مصر کا کافی حصہ ڈوب گیا تھا۔ لکھتے ہیں:

"بادشاہ موئرس کے دور میں دریائے نیل نے صرف آٹھ کیوبٹ بلند ہو کر ممفس سے نیچے کے سارے مصر کو ڈبو دیا تھا۔ جب میں نے یہ بیان سنا تو موئرس کو مرے ہوئے 900 سال ہوئے تھے۔" (17)

یہ عین ممکن ہے۔ کہ وہی واقعہ ہو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ سمندر پار لے کر نکلے تب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتے ہوئے بحر الاحمر میں ڈوب کر تباہ ہو گیا تھا۔ تو شاید اس واقع کی خبر مرور زمانہ اور سینہ بسینہ منتقلی کی وجہ سے یہ بات بدلتے ہوئے یہ بنی کہ دریائے نیل کی وجہ سے مصر ڈوبا تھا۔ ہیر ڈوٹس کے سفر مصر اور خروج کے درمیان تقریبا 900 سال کا عرصہ گزر گیا تھا۔ جو ہیر وڈوٹس خود بتا رہا ہے۔ دونوں واقعات کا زمانہ ایک ہی ہے۔ لہٰذا فرعون کے سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہونے والا ہی واقعہ ہے۔

یہاں ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ دریائے نیل اگر ممفس کے نیچے سارے مصر کو ڈبو دیتا تو وہ قدیم مصر کے اس علاقے کے سارے آثار جو اس واقعہ سے پہلے کے ہیں وہ بھی مسمار کر دیتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اس ڈوبنے کے واقعے سے قبل قدیم مصر کے ان علاقوں سے آثار اور ممیاں دریافت ہوئیں ہیں۔ کیونکہ ہیڑوڈوٹس کے مطابق یہ واقعہ 13 صدی ق م کا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریائے نیل نے ان علاقوں کو نہیں ڈبویا تھا۔ بلکہ فرعون مرنفتاح اپنے پورے فوج کے لشکر کے ساتھ بحر الاحمر میں ڈوب گیا تھا۔ یقیناً یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس لیے یہ کہا گیا کہ نیل نے مصر کو ڈبویا تھا۔

تاریخ میں اختلاف:

جو تاریخ مؤرخین نے قدیم مصر کی مرتب کی ہے اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں: "میں نے جہاں تک انگریزی انسائیکلوپیڈیا اور مصر کی انگریزی تاریخوں اور عربی تاریخوں کو پڑھوا کر سنا اور سنوں اور تاریخوں کو ملانے کی کوشش کی تو مجھے زیادہ

اختلاف نظر آیا اور ٹھیک سنہ اور زمانے مختلف خاندانوں کی حکومتوں کے مقرر کرنے دشوار ہو گئے۔ آخر مجبور ہو کر مصری عالم احمد کمال پاشاہ کی کتاب پر بھروسہ کیا کیونکہ وہ مصر کے تھے۔ اور اپنے گھر کی بات کو گھر والا ہی خوب جان سکتا ہے۔"(18)

اس اختلاف کی وجہ سے یہ ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ کہ اب جو قدیم مصر کی تاریخ بیان کی جاتی ہے۔ اس میں قطعیت کا فقدان ہو گیا ہے اور یہ یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس مؤرخ کی بات بالکل ٹھیک ہے۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر ایک حقیقت کو رد کر کے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا کوئی وجود نہیں ہے اور یہ ایک افسانہ ہے۔ تو ان کا نتیجہ تحقیق کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔

اس کے علاوہ مسلم مؤرخین نے بنی اسرائیل کے قدیم مصر میں وجود کو بیان کیا ہے۔ مسلم مؤرخین (عبد الرحمٰن ابن خلدون، ابو جعفر الطبری۔ مسعودی، ابن ہشام وغیرہ) نے قدیم مصر کی تاریخ کو بڑی تگ و دو سے تحریر کیا ہے۔ لہٰذا ان کا اس قصے کو تاریخ کی کتب میں بیان کرنا دلالت کرتا ہے کہ ان کا وجود حقیقی تھا۔ یہ بات طے ہے کہ مؤرخین دیومالائی قصے کہانیاں اپنی کتب میں نہیں لکھا کرتے۔

الہامی کتب:

تورات اور قرآن پاک الہامی کتب ہیں۔ ان دونوں میں اس پوری تاریخی حقیقت کو شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں کوئی بھی ایک قصہ ایسا نہیں ہے جو حقیقت سے ہٹ کر ہو۔ قرآن پاک نے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر میں موجودگی کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یوسف اور بنی اسرائیل کے ناموں سے قرآنِ پاک میں دو سورتیں نازل کی گئی ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو سب سے اچھا قصہ "احسن القصص" قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَـآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِـهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ" (19)

ترجمہ: ہم تیرے پاس بہت اچھا قصہ بیان کرتے ہیں اس واسطے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن بھیجا ہے، اور تو اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں سے تھا۔

دوسرا یہ کہ رسولِ کریم ﷺ قرآن پاک کے نزول کے دوران، اس سے پہلے یا بعد میں کبھی بھی آپ ﷺ مصر تشریف نہیں لے گئے اگرچہ قرآنِ پاک میں مصر کے حوالے سے کافی معلومات دی گئی ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ (یہ بالکل ٹھیک ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے اور) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر میں ظہور اور موجودگی افسانہ نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت پر مبنی تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْـهَـوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى" (20)

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے، یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔

قرآنِ پاک کی ہر آیت اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر وحی کی گئی ہے۔ قرآنِ پاک نے قدیم مصر کی حقیقت کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور فرعون کی ممی کو باقی رکھنے اور بعد والوں کے لئے عبرت کا ذکر آج سے 1400 سال پہلے اور فرعون کے غرق ہونے کے تقریباً 1800 سال بعد دنیا پر واضح کیا ہے۔ اور یہ ممی 19 ویں صدی میں دریافت ہوتی ہے اور آجکل قاہرہ کے میوزیم میں نمائش کے لئے رکھی گئی ہے۔ لوگ آتے ہیں اور اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ حقیقت ہے نہ کہ افسانہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۚ وَاِنَّ كَثِيْـرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيَاتِنَا لَغَافِلُوْنَ"(21)

ترجمہ: پس آج ہم تیرے بدن کو بچا لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو، اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔

فرعون کی ممی:

1975 میں فرانس سے تعلق رکھنے والے سائنسدان ڈاکٹر موریس بکائلے فرعون کی ممی کا مشاہدہ کیا اور اس کو قرآن کے مطابق پاکر مسلمان ہوا اور اس نے اسلام کی علمی خدمت کی۔ اپنا مذہب تبدیل کرنا یقیناً آسان کام نہیں ہے وہ بھی ایک زیرک سائنسدان جو ہر چیز تجربے اور مشاہدے کی آنکھ سے بڑا ٹٹول کر نتائج نکالتا ہو۔ ڈاکٹر موریس بکائلے نے اس حوالے سے بڑی تحقیق کی، خود قرآن سیکھا اور پھر اسلام قبول کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس مشاہدہ سے جو کچھ ہی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ وہ چوڑے چوڑے رخنوں کے ساتھ ہڈیوں کے متعدد صدموں کی دریافت ہے۔ جن میں سے بعض، مہلک ثابت ہوں گے۔ حالانکہ ابھی تک اس بات کا پتہ چلانا ممکن نہیں ہے۔ کہ ان میں سے بعض فرعون کی موت کے پہلے ہوئے یا بعد میں۔ غالب گمان ہے کہ اس کی موت یا تو ڈوبنے سے ہوئی جیسا کہ صحیفہ کے بیانات سے پتہ چلتا ہے۔ یا ڈوبنے سے قبل کے سخت صدموں یا بیک وقت دونوں سے۔"(22)

قرآن کی حقانیت:

قرآن کا جدید سائنسی تحقیقات سے تقابل کرتے ہوئے ڈاکٹر موریس اپنی کتاب "قرآن، بائبل اور سائنس" کے تعارف میں لکھتے ہیں: " ایک بار جب سائنسی معلومات اور صحیفوں میں شامل بیانات کا مقابلہ کر لیا گیا تو پھر مصنف نے اس کے نتائج 1976 میں فرانسیسی ایڈیشن میں پیش کر دیئے۔ شروع میں وہ بڑے اچنبے کا موجب ہوئے۔ قرآن میں واضح طور پر ایک بیان بھی ایسا شامل نہیں تھا۔ جو مستحکم بنیادوں پر قائم شدہ جدید معلومات سے عدم مطابقت رکھتا ہو۔ نہ ہی اس میں ان موضوعات سے متعلق جو اس میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس

دور کے مروجہ خیالات میں سے کوئی ایک دکھائی دیا۔ بلکہ اس سلسلے میں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں وہ حقائق بڑی تعداد میں بیان ہوئے ہیں۔ جن کی تحقیق دور جدید سے پہلے نہیں ہوئی تھی"(23)

اگر قدیم مصر کا مطالعہ قرآن پاک کی روشنی میں کیا جائے تو کافی راز کھلتے ہیں۔ لیکن اس حوالے سے بہت کم لوگوں کو توفیق ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسے ہدایت کی نعمت سے نوازتا ہے۔ حمید بن عبدالرحمٰن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل روایت بیان کرتے ہیں:

(سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يُرِدْ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ)(24)

ترجمہ: میں نے ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عنایت فرماتا ہے۔

تاریخ کا غیر معقول مطالعہ:

دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آثار قدیمہ سے ان کے بارے میں ثبوت یا آثار نہیں ملے۔ تاریخی واقعات کو رد کرنے کے لیئے تاریخ سے ہی مضبوط دلائل دینا پڑتے ہیں۔ محض آثار نہ ملنے پر ایک بہت بڑی تاریخی حقیقت کو رد کرنا غیر معقول اور تاریخ سے لاعلمی ہے۔ جبکہ دوسرے ذرائع اس حقیقت کو بیان کر رہے ہیں۔

آثار نہ ملنے کی کچھ وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے اب تک تمام آثار قدیمہ کو نہیں نکالا گیا۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں کچھ معلومات ان باقی ماندہ آثار سے ان کے بارے میں مل جائے۔ ہمیشہ محقق پوری تحقیق کرنے کے بعد نتیجہ دیتا ہے۔ آدھی یا نامکمل تحقیق کی بنیاد پر کوئی نتیجہ نہیں دیتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام فراعنہ کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اور ان کا حکومت میں عمل دخل نہیں تھا۔ اس لیے ان کے کتبے وغیرہ نہیں لکھے گئے جس طرح فراعنہ کے تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے آثار قدیمہ پر کام اٹھارویں صدی میں شروع ہوا تھا۔ اس تحقیق سے پہلے مرور زمانہ کی وجہ سے یا چوروں نے خزانوں کی خاطر کئی آثار تباہ کر دیئے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان تباہ شدہ آثار میں بنی اسرائیل کے حوالے سے معلومات بھی ضائع ہو گئی ہوں۔

قدیم مصر کی یادگاریں:

قدیم مصر میں جو بھی فرعون بنتا تھا۔ وہ مطلق العنان بن کر وہ اپنی بڑھائی و عظمت بر قرار رکھنے کے لیئے پہلے والوں کی یادگاروں کو تباہ کرتا تاکہ لوگ اس کی یادگاروں کو یاد رکھیں ان میں سے بالخصوص آمون ہتپ چہارم جس نے مصر کے باقی خداؤں کے بت، مندر وغیرہ ختم کر کے صرف ایک خدا "اتون" کی عبادت کا حکم دیا۔ اس کے بعد توت عنخ آمون آئے اس نے دوبارہ پہلے والے مندر اور مصر کے مصنوعی معبود بحال کر دیئے۔ تو اس لیئے یہ عین ممکن ہے کہ جو بت، مندر وغیرہ ضائع ہو گئے ہوں وہ سب واپس بحال نہ ہو سکے ہوں۔ اس طرح تھوتھمس سوئم نے اپنی بیوی ہشت شی پشت کی وفات کے بعد اس کی دشمنی میں تمام یادگاروں کو تباہ کر دیا تھا۔ اس میں ظاہر ہے اور بھی یادگاریں تباہ ہو گئی ہوں۔ اس طرح کے حالات میں اگر کوئی یادگار حضرت یوسف علیہ السلام، بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کی ہو نگی وہ بھی اس طرح کے حالات میں تباہ کر دی گئی ہوں۔

جب فراعنہ ایک دوسرے کی یادگاروں کو تباہ کرتے تھے حالانکہ اکثر فراعنہ کے جانشین ان کی اولاد ہوتی تھی۔ تو وہ کیسے برداشت کرتے کہ جن کی وجہ سے مصر ایک مرتبہ پوری طرح تباہ ہو گیا ان کی یادگاروں کو باقی رکھیں۔ فراعنہ بڑے متکبر اور انا پرست تھے۔ یہ ان کی انا کا مسئلہ بھی تھا۔ کہ ان کے آباء واجداد کو ایک کمزور اور غلام قوم کی وجہ سے شکست ہوئی ہو۔ بلکہ تباہ ہو گئے ان کی یادگاروں یا ان کی تاریخ کو باقی رکھتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے عروج کے بعد عمالقہ کی حکومت ختم کرنے کے لیے ایک تحریک اٹھی، تو اس نے تمام یادگاروں کو ہٹا دیا۔ مولانا مودودی رقمطراز ہیں:

"اس کے بعد ملک میں زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی جس نے ہکسوس اقتدار کا تختہ الٹ دیا۔ ڈھائی لاکھ کی تعداد میں عمالقہ ملک سے نکال دیے گئے۔ ایک نہایت متعصب قبطی النسل خاندان برسر اقتدار آ گیا اور اس نے عمالقہ کے زمانے کی یادگاروں کو چن چن کر ہٹا دیا اور بنی اسرائیل پر ان مظالم کا سلسلہ شروع کیا جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آتا ہے۔"(25)

جب فراعنہ مصر میں بلند و بالا قوی الجثہ اہرام تعمیر کر کے اور اپنی ممیاں بنوا کر ہمیشہ کے لیئے اپنی سربلندی چاہتے تھے۔ تو عین ممکن ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر بنی اسرائیل کی یادگاروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ کیونکہ یہ ان کی تہذیب کا تاریخ پر ایک دھبہ تھا۔ کہ ان کے آباءواجداد شکست خوردہ ہوئے۔

یہ کہا جاتا ہے تاریخ پر حکمران غالب رہے ہیں اور وہ انہوں نے تاریخ اپنے مطمع نظر سے لکھواتے تھے۔ اور فراعنہ کا اپنے رعایا پر بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ تو یہ عین ممکن ہے کہ انہوں نے مصر کی سینہ بہ سینہ تاریخ کو بھی بنی اسرائیل کے ذکر سے عاری کروا دیا ہو۔ باقاعدہ

تاریخ نویسی بھی کافی عرصہ بعد میں شروع ہوئی تھی۔ایک تو یہ کہ لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ دوسرا اس فن سے بھی لوگ نابلد تھے۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل کا بھی مغربی مؤرخین کے ہاں ذکر نہیں ملتا۔

مغربی ماہرین کا تعصب:

آجکل جو مصر پر تحقیقات کر رہے ہیں وہ زیادہ تر مغربی ماہرین ہیں۔ یہ عین ممکن ہے وہ اگر انہیں بنی اسرائیل کے حوالے سے کوئی یادگار ملتی ہو وہ تعصب کی بنا پر ضائع کر دیتے ہوں جو معلومات ان کو الہامی مذاہب کی طرف راہنمائی کرتی ہوں۔ دنیا کو نہ بتاتے ہوں۔ ان کو آثار قدیمہ سے بنی اسرائیل کی معلومات کا نہ ملنا ہرگز اس پر دلیل نہیں کرتا ہے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ جبکہ ان کا وجود الہامی کتب بتا رہی ہیں کہ وہ موجود تھے۔

تورات اور تلمود عبرانی زبان جبکہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ لیکن یہ دونوں بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر میں ظہور کے بارے میں معلومات کے بیان میں کافی حد تک مماثلت رکھتی ہیں۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ کتب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو معلومات دے رہی ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"یوسف علیہ السلام کے قصے کی جو تفصیلات بائیبل اور تلمود میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ان کا بیان بہت کچھ مختلف ہے۔ مگر قصے کے اہم اجزاء میں تینوں متفق ہیں۔"(26)

یہاں مستشرقین اعتراض کرتے ہیں معاذاللہ حضور اکرم ﷺ یہ باتیں تورات اور تلمود سے نقل کی ہیں۔ قرآن پاک نے ان واقعات کو حقیقت پر مبنی بیان کیا ہے جو معقول اور ٹھیک ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں تورات اور تلمود میں کی گئی باتیں غلط اور عقل کے خلاف ہیں۔ قرآن نے ان کی اصلاح کی ہے۔

یہودیت کی اساس:

اس کے علاوہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر میں ہونا یہودیت کی اساس ہے اور ان کی الہامی کتب میں ذکر ہے۔ کہ بنی اسرائیل نے مصر میں لمبے عرصے تک فراعنہ کے ظلم و ستم کا شکار رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سربراہی میں فرعون کے ظلم و ستم سے آزاد ہوئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ الہامی کتب افسانے بیان کرے وہ بھی ایک پیغمبر کے حوالے سے۔ سب سے بڑھ کر قرآن مجید 1400 سال قبل نازل ہوا قرآن میں ایک حرف کی بھی تحریف نہیں ہوئی۔ اور اس کی بتائی ہوئی ہر بات سچ ثابت ہوئی اور یہاں تک سائنسی طور پر قرآن کی باتیں ٹھیک ثابت ہوئی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام کا افسانوی قصہ بیان کرے۔ اور اس قصے کو باقی تمام

قصوں سے بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے اور کئی مرتبہ موسیٰ اور فرعون کا نام لے کر ذکر کیا ہے۔ اور قصوں کی اہمیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ"(27)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) قصے بیان کیجیئے تاکہ یہ لوگ غور وفکر کریں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے الہامی کتب محض فرضی قصے بتا کر لوگوں کو راہ راست پر لانے کی دعوت دے۔ اور اس سے بڑھ کر قرآن دعوت دیتا ہے کہ ان کو قصے سناؤ تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ اگر غیر جانبدرانہ غور وفکر ہو تو انسان خود بخود حق تک پہنچ سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کی غلامی:

بعض مغربی مصنفین خروج کی عجیب وغریب توجیحات پیش کر کے اصل واقعے کو بدل دینے کی ناکام کوشش کرنے کے باوجود بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ اہل مصر کے پاس ہزاروں کی تعداد میں غلام تھے۔ ہمارا بھی یہی دعویٰ ہے کہ ان کے پاس غلام تھے اور وہ بنی اسرائیل تھے۔

John A. Wilson نے لکھا ہے:

"In all there must have been tens of thousands of foreigners in bondage in the army, on government public works, in the temple workshops, and on the estates of the pharaoh and his nobles." (28)

ترجمہ: فوج کی غلامی میں، سرکاری عوامی کاموں، ہیکل کی ورکشاپوں، اور فرعون اور اس کے رئیسوں کی بستیوں پر ہزاروں غیر ملکی رہے ہوں گے۔

یہاں کوئی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ جب کئی سالوں تک بنی اسرائیل تہذیب یافتہ ملک میں رہے تو ضرور انہوں نے بھی مختلف فنون سیکھے ہونگے لیکن ان فنون کا احوال ان کی بعد کی تاریخ میں نہیں ملتے۔ ہاں غلامی کے باوجود بھی انہوں نے فنون سیکھے ہونگے لیکن بنی اسرائیل اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وجہ سے بطور سزا چالیس سال تک میدان تیہ میں دربدر رہے۔ اس طرح ان کی وہ نسل جو یہ فنون سیکھ کر آئی تھی۔ وہ مر کر ختم ہو گئی یا اتنے بڑھاپے میں پہنچ گئی کہ وہ ان فنون کو بروکار نہیں لا سکتے تھے۔ بنی اسرائیل کے مصر میں موجودگی سے متعلق ثبوت کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر موریس بکائیے لکھتے ہیں:

"مقدس صحیفوں سے ہٹ کر بنی اسرائیل نے مصر میں اپنے قیام کے جو اثرات چھوڑے ہیں۔ وہ نہایت دھندلے ہیں تاہم کئی ہیروغلافی دستاویزات ایسی ہیں۔ جو مصر میں ایسے مزدوروں کی جماعت کے وجود کا حوالا دیتی ہیں۔ اپیرو، ہاپرو اور ہابرو کہلاتی تھیں۔ جن کو صحیح یا غلط

طریقے سے عبرانیوں سے مطابقت دی جاتی ہے۔ اس جماعت میں تعمیراتی کام کرنے والے، زراعت سے متعلق مزدور کھیتی کاٹنے والے لوگ وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہ لوگ کہاں سے آئے تھے۔ اس سوال کا جواب پانا مشکل ہے۔"(29)

یہ بنی اسرائیل ہی تھے جن کو فراعنہ نے غلام بنا کر انہیں مختلف کاموں میں بے دریغ استعمال کیا۔

خلاصہ:

اہل مغرب آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کی روشنی میں بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آثار نہ ملنے پر بنی اسرائیل کے قدیم مصر میں موجودگی کا انکار کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک Legendary کہہ کر ان کے کارناموں کو افسانہ قرار دیا ہے۔

لیکن راقم نے اس اعتراض کو دلائل قاطعہ سے رد کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں۔

نتائج:

1۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں بطور غلام لایا گیا۔ آپ علیہ السلام کو مصر میں فروخت کیا گیا اور آپ علیہ السلام کو ناکردہ گناہ کی پاداش میں جیل میں ڈالا گیا۔ بعد ازاں خواب کی تعبیر کی وجہ سے آپ علیہ السلام جیل سے آزاد ہوئے اور عزیز مصر کے منصب پر فائز ہوئے۔

2۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے امون ہتپ چہارم نے دعوت حق کو قبول کیا اور اس نے پورے مصر میں اللہ کا دین رائج کیا۔

3۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے طفیل سے مصر میں داخل ہوئے اور آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل فراعنہ مصر کے زیر عتاب آئے۔

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وجور سے نجات دلائی۔ اللہ کی مدد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو سمندر پار لے گئے اور فرعون اپنے پورے لشکر کے ساتھ دریا میں غرق ہو گیا۔ اور اللہ نے اس کے جسم کو باقی رکھ کر اس کو بعد والوں کے لیئے عبرت کا نشان بنا دیا۔

تجاویز و سفارشات:

1۔ اسلامی ممالک کو بھی اسی قدر مصر کے آثار قدیمہ میں دلچسپی لینی چاہیے۔ جس قدر مغربی ممالک لے رہے ہیں۔ انہوں نے باقاعدہ مصریات کے نام سے علوم پڑھانا شروع کر دیئے ہیں۔ اس تہذیب کا ہمارے دین سے گہرا تعلق ہے۔ اس تہذیب کا جائے وقوعہ ایک اسلامی ملک میں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ کا اس تہذیب میں رہنا اور تبلیغ کا کام کرنا اور اس کے علاوہ قرآن نے بھی فرعون اور قدیم مصر کو بڑی اہمیت دی ہے۔

2۔ اس موضوع پر قرآن کی روشنی میں مزید تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ اور رازوں سے بھی پردے ہٹیں اور حق آشکار ہو جائے۔

3۔ قدیم مصر کے آثار کی کماحقہ حفاظت کی جائے تاکہ یہ رہتی دنیا تک باقی رہیں اور لوگوں کے لیئے عبرت کا سامان بنے رہیں۔

4۔ مغربی تاریخ دان اور مصر کے آثار قدیمہ کے ماہرین حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر آمد اور ان کے بعد بنی اسرائیل کا مصر آنا پھر ان کی غلامی، ان پر فراعنہ کی ظلم وزیادتی اور موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر خروج تک کی تاریخ کا ذکر اپنی کتب میں نہیں کرتے۔ بلکہ مغربی مصنفین اس پوری تاریخی حقیقت کو Myth بتاتے ہیں۔ لہٰذا اہل مغرب آثار قدیمہ کی تحقیقات کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک Legendary کہہ کر ان کے کارناموں کو افسانہ قرار دیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے یہ واقعہ صرف تورات اور قرآن میں ہے اور کہیں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہمارے علماء کرام اور محققین مزید اس حوالے سے تحقیق کریں اور اس تاریخی حقیقت کو دنیا کے سامنے روشناس کرائیں کیونکہ یہ براہ راست قرآن مجید پر اعتراض کیا جارہا ہے کہ معاذاللہ! اس میں دیومالائی قصے بیان کیے گئے ہیں۔

5۔ مصری حکومت اور مصری علماء پر یہ لازم ہے کہ وہ قدیم مصر کے آثار پر جو تحقیق ہو رہی ہے اس پر خاص نظر رکھیں اور ان کے ساتھ جڑے رہیں تاکہ بنی اسرائیل کے آثار کا تحفظ اور انکشاف ہو سکے۔ یقینا کچھ نہ کچھ آثار ان کے بارے میں بھی ضرور ہونگے۔ لیکن اہل مغرب اپنا مفروضہ بنا کر یہ نتیجہ نکال چکے ہیں کہ بنی اسرائیل قدیم مصر میں نہیں آئے اور موسیٰ علیہ السلام کا کردار افسانوی ہے۔ تو ان کو اس طرح کے آثار میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

6۔ مغربی ماہرین قدیم مصر کی تہذیب میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اور قرآن پاک نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور بنی اسرائیل کے مصر سے جڑے حالات کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور وہ دورانیہ ہے جب مصر کی قدیم تہذیب پروان چڑی تھی۔ اگر اہل مغرب کو یہ باور کروایا جائے کہ قرآن پاک نے قدیم مصر کی حقیقت پر تاریخ بیان کی تو عین ممکن ہے ان کی نظر میں قرآن کی اہمیت اور بڑھ جائے اور وہ قبول اسلام کی طرف راغب ہو جائیں۔

حوالہ جات

1۔ مودودی ابواعلیٰ، تفہیم القران، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1949ء، ج:2، ص:381۔

2۔ یوسف:12/99.

3۔ ابن خلدون، ابوزید عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، مترجم: حکیم احمد حسین الہ آبادی، کراچی، دارالاشاعت، 2009ء، ج:2، ح:1، ص:100۔

4۔ کھوکھر وصی اللہ، جہانگیر اردو لغت، نیاز جہانگیر پرنٹرز، لاہور، غزنی اسٹریٹ اردو بازار، س ن، ص:206۔

5۔ فیروزالدین، مولوی، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2010ء، ص:220۔

6۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر (متوفی 310ھ)، تاریخ طبری تاریخ الامم والملوک، مترجم: ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، کراچی، نفیس اکیڈمی، 2004، ج:1، ح:1، ص:273۔

7۔ ابن خلدون، ابوزید عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، محولہ بالا، ص:45۔

8۔ ابراہیم:14/6

9۔ مختصر اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، 2003ء، ط:2، ص: 821۔(بحوالہ: J H Breasted : A History of Egypt بار دوم، نیویارک، ۱۹۵۰ء)

10۔ ابراہیم:14/5

11۔ مختصر اردو دائرۃ معارف اسلامیہ محولہ بالا، ص:823۔

12۔ یونس:10/90-92

13. https://www.ancient.eu/Moses/

14. Bob Brier, Hoyt Hobbs, Daily life of The Ancient Egyptians 2nd edition, Greenwood Press Westport, Connecticut • London,2008 , Page No. 60

15. Ibid, Page No. 62

16. Wendy Christensen, Empire of Ancient Egypt, http://www.chelseahouse.com, 2009 , Page No. 50

17۔ ہیروڈوٹس، دنیا کی قدیم ترین تاریخ، مترجم: یاسر جواد، لاہور، نگارشات پبلشرز، 2005ء، ص:137

18۔ نظامی خواجہ حسن، تاریخِ فرعون، لاہور، مشتاق بک کارنر، س ن، ص:260

19۔ یوسف:12/3
20۔ نجم:53/3-4
21۔ یونس:10/92
22۔ موریس بکائلے، بائیبل، قرآن اور سائنس، مترجم: ثناء الحق صدیقی، سیالکوٹ، وقاص پبلشر، 2000ء، ج:3، ص:367
23۔ موریس بکائلے، بائیبل، قرآن اور سائنس، محولہ بالا، ص:9
24۔ صحیح بخاری، بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، مترجم: حافظ عبد الشار الحماد، مکتبہ دار السلام، جلد اول: باب نمبر 13مَنْ يُرِدْ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، ص125، حدیث نمبر 71
25۔ مودودی، ابو اعلیٰ، تفہیم القران، محولہ بالا، ص:382
26۔ ایضاً، ص:383
27۔ الاعراف:176
28. John A. Wilson, The Culture of Ancient Egypt, The University of Chicago Press, Chicago 6063, 1951 Page No. 257
29۔ موریس بکائلے، بائیبل، قرآن اور سائنس، (ج:3) محولہ بالا، ص:349

English Refernces:

1. The Qur'an.
2. Maududi Abu Ali, Tarjuman ul Qur'an, Lahore, Tarjuman ul Qur'an, 1949.
3. Ibn Khaldun, Abu Zaid Abdul Rahman, History of Ibn Khaldun, (Translator: Hakim Ahmad Hussain Allahabadi), Karachi, Darul Ashaat, 2009.
4. Khokhar Wasiullah, Jahangir Urdu Dictionary, Niaz Jahangir Printers, Lahore, Ghazni Street Urdu Bazaar, Lahore.
5. Ferozuddin, Maulvi, Feroz ul Lughat, Lahore, Feroz Sons (Pvt) Ltd. Lahore, 2010.
6. Al-Tabari, Abu Ja'far Muhammad Bin Jarir (d. 310 AH), Tarikh Tabari Tarikh Al-Umm Wal-Muluk, translated by Dr. Muhammad Siddiq Hashmi, Karachi, Nafis Academy, 2004.
7. Short Urdu Encyclopedia of Islam, University of Punjab, Lahore, Department of Urdu Encyclopedia of Islam, University of the Punjab, 2003.
8. Herodotus, History of Ancient World, Translated by Yasir Jawad, Lahore, Nigarshat Publishers, 2005.
9. Nizami, Khawaja Hassan, History of Pharaoh, Lahore, Mushtaq Book Corner, S.N.
10. Maurice Bakile, Bible, Qur'an and Science, Translated by Sana-ul-Haq Siddiqui, Sialkot, Waqas Publisher, 2000.
11. Sahih Bukhari, Bukhari, Abu Abdullah Muhammad bin Ismail, Translator: Hafiz Abdul Shar Al Hammad, Maktab Darul Salam, Volume I.